© rasailojaraid.com

مشرقی ادبیات میں لیلی مجنون کے قصے، تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم المصری ☆

''لیلی مجنوں'' کا شمار دنیا کے ان قصوں میں ہوتا ہے جنہیں بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔ یہ صرف عربی ادب ہی میں نہیں (جو اس کا اصل ماخذ ہے)، بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں، خصوصاً مشرقی ملکوں کی ادبیات میں بھی اسے بڑی مقبولیت ملی۔ اس قصے کی شہرت اس درجے تک پہنچ چکی ہے کہ جس زبان کے ادب میں یہ قصہ منتقل ہوا اس زبان کے بولنے والے خصوصاً عوام الناس یہ سمجھنے لگے، کہ یہ قصہ انہی کے ملک کی اختراع اور انہی کے ادباء کی ایجاد ہے۔ فی الحقیقت اس مقبولیت کا سبب اس قصے کے واقعات کی کشش ہے۔ یہ شدید محبت پر مبنی ایک ایسا قصہ ہے جس کے ہیروؤں (قیس اور لیلی) کو طرح طرح کے دکھوں اور غموں کا سامنا کرنا پڑا جن کے سامنے بڑے بڑے طاقتور اور مضبوط اعصاب والے انسان بھی عاجز نظر آتے ہیں۔ اس قصے کے ہیروؤں کے لیے ہجر و فراق کے دکھوں سے بھرے ہوئے راستے کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہ تھا۔ ان کی زندگی میں وصل کے تھوڑے سے پھول بھی نہیں اُگ سکے، جو کم از کم دونوں کے دلوں کے لیے باعثِ راحت ہو سکتے۔

ہمارے خیال میں سب سے بڑا سبب، جس نے اس قصے سے لوگوں کو مانوس اور ان کی ہمدردیاں قصے کے ہیرووں کے ساتھ جوڑ دیں، وہ ان شعراء کی کوششیں تھیں، جنہوں نے اس قصے کو نظم کیا۔ ان ادباء وشعراء نے درحقیقت اس قصے کے واقعات کی تصویر کشی میں بڑی محنت کی اور یہ ایک ایسی کامیابی تھی کہ کوئی قاری بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اول سے لے کر آخر تک سارا قصہ پڑھے بغیر، اسے چھوڑ نہیں سکتا۔

قصہ لیلی مجنون کا منبع عربی ماحول ہے، وہ ماحول جس میں بڑے لق دق اور دور دراز پھیلے ہوئے صحرا ہیں، جہاں نہایت صاف وشفاف کناروں والے آسمان کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ بلند و بالا اور خوفناک پہاڑ نظر آتے ہیں، چراگاہیں اور وادیاں ہیں۔ یہ ایک ایسا ماحول ہے جو صفائے نفس، جمالِ فطرت، تیزیٔ ذہن، اور رفعتِ شعور میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

☆ فارن پروفیسر - اردو دائرہ معارف اسلامیہ - جامعہ پنجاب، لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک اس قصے کے ہیروؤں کا تعلق ہے تو وہ ایسے شعراء ہیں، جن کو صحرا کے باسی ہونے کی وجہ سے انتہائی اعلیٰ درجے کی ذکاوتِ طبع اور وسعتِ خیال حاصل تھی۔ قیس ایک حساس اور رقیق القلب شاعر تھا اور بعض روایات کے مطابق لیلیٰ بھی شاعرہ تھی اور یہی چیز (شاعری) ہے جس نے اس محبت بھرے قصے کو ایک ایسا المیہ بنادیا جس کے لیے دل اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں، حالانکہ یہ ممکن تھا کہ یہ محبت بذریعہ شادی ان کے اجتماع پر منتج ہوتی، اور خوشیوں بھری زندگی انہیں حاصل ہو جاتی۔

اس سب کچھ کے باوجود آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس عظیم قصہ کی قدیم شعرائے عرب کی قوتِ متخیلہ نے اس قدر تصویر کشی نہیں کی کہ وہ مکمل صورت میں اسے نظم کر کے بقاء و دوام عطا کرتے اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے وہ ایک ورثہ بن جائے۔ تاہم ہمارے خیال میں یہ معاملہ نہ تو حیران کن ہے اور نہ ہی تعجب انگیز۔ کیونکہ کسی بھی قصے کو نظم کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے ایک مناسب شعری ہیئت میں ڈھالا جائے۔ ایسی شعری ہیئت جو شاعر کے لیے قصے کے واقعات بغیر رکاوٹ کے بیان کرنے کو سہل بنادے۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ قدیم عربی شاعری کا مدار مسلسل قافیہ بندی پر تھا، قصیدہ لمبا ہو یا چھوٹا، اس میں وحدتِ قافیہ ضروری ہوتی تھی، چنانچہ اگر وہ قصہ جس کو نظم کرنا مقصود ہوتا چھوٹا ہوتا پھر تو معاملہ آسان رہتا، لیکن اگر قصہ لمبا ہوتا تو پھر قصیدے میں سمیٹا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگرچہ عرب شعراء صنفِ مثنوی سے بطور ہیئت شعری کے واقف تھے، مگر وہ اس کا استعمال بڑے پیمانے پر نہیں کرتے تھے اور یاد رہے کہ مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ ہوتا ہے اور قافیے کے اعتبار سے دوسرے اشعار کے قافیوں سے مختلف ہوتا ہے، لہذا قصے کو نظم کرنے کے لیے صنفِ مثنوی ہی شاعری کی موزوں ترین شکل سمجھی جاتی ہے، اور یہی بات ہمیں فارسی، ترکی اور اردو شعرا کے ہاں ملتی ہے۔ چنانچہ فارسی، ترکی اور اردو ادب اس قسم کی مثنویات سے بھرا پڑا ہے، جن کے اشعار کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

جہاں تک عربی ادب کا تعلق ہے تو اس میں عشقیہ کہانیوں کو منظوم کرنے کے لیے صنف مثنوی کو استعمال میں نہیں لایا گیا۔ اس لیے یہ ادب طویل منظومات سے خالی رہا، پھر معاملہ ''لیلیٰ مجنوں'' کے قصے تک محدود نہیں تھا، بلکہ یہ اصول تمام عشقیہ قصوں پر منطبق ہوتا ہے، ایسے عشقیہ قصے جنہوں نے اس وقت عربی ادب میں شہرت پائی۔ مثلاً قصہ قیس ولیلیٰ، قصہ کثیر عزہ، قصہ جمیل وبثینہ، قصہ عروہ وعفراء اور اس قسم کے دیگر قصے۔

مگر جس صنف ادب میں عرب شعراء نے اس قسم کے قصے منظوم کئے ہیں وہ ڈرامے کی صنف ہے، یہ دراصل نئی صنف ہے اور اس کی عمر ادب عربی میں ڈیڑھ صدی سے متجاوز نہیں ہے۔ صنف ''ڈراما'' کے طفیل ہی عصر جدید میں ''لیلیٰ مجنوں''، اور اس کی مانند دیگر قصے نظم کیے گئے جو عربی ادب میں عمدہ کارنامے شمار ہوتے ہیں اور قاری نے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایک ایسی خیالی دنیا تک رسائی حاصل کی، جو شاید ہماری اس دنیا سے مختلف ہے۔

درحقیقت جب تک ''قصہ لیلیٰ مجنون'' فارسی ماحول میں نہیں پہنچا اور جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر نہیں نکلا تھا، تب تک عرب شعراء نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ اس داستان کو ہزاروں اشعار میں نظم کیا جائے۔ کیونکہ ان کی فطرت کا رجحان، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اختصار کی طرف زیادہ مائل تھا۔ لیکن جب یہ قصہ فارسی صوفی شعراء کے ہاں پہنچا تو فارسی زبان و ادب کی خصوصیات اس میں پیدا ہو گئیں؛ انہوں نے اس قصے کو بڑھا چڑھا کر ہزاروں اشعار پر مشتمل مثنویوں کی صورت عطا کی اور چونکہ جن شعراء نے اس قصے کو پہلے پہل منظوم کیا تھا، یہ سب صوفی یا نیم صوفی شاعر تھے، ان کا مقصد تصوف کے اسرار و رموز اور حقائق و معارف کو عامۃ الناس کی خدمت میں پیش کرنا تھا، لہذا انہیں اس قصے کو نظم کرنے میں زیادہ مبالغے سے کام لینا پڑا، انہوں نے داستان میں اتنا مبالغہ کیا کہ وہ قیس، جو عربی ماحول میں ایک حساس شاعر سے زیادہ کچھ نہ تھا، فارسی ماحول میں آ کر ایک ولی اللہ بن گیا اور اس کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے کرامات ظہور پذیر ہوتی رہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد عربی شاعری کا مزاج متعین ہونے لگا تھا، اسلام سے پہلے شاعر کو یہ آزادی تھی کہ وہ جس میدان میں چاہتا شاعری کر سکتا تھا۔ لیکن اسلام کے آنے بعد، خصوصاً قرنِ اول میں، قرآن و حدیث مسلمانوں کی توجہ کا اولیں مرکز قرار پائے اور انہیں شاعری پر ترجیح دی جانے لگی، بلاشبہ وہ اس بارے میں حق بجانب تھے، اسی لیے اس دور کے مسلم شعراء، لیلیٰ مجنون جیسے قصوں کو منظوم کرنا اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے، دوسرے یہ کہ مسلمان فتوحات اسلامیہ میں مصروف رہے۔ شعراء بھی میدانِ جہاد میں شاعری اور تلوار دونوں کے ذریعے سے ان کے شریکِ کار رہے، لہذا انہیں وقت ہی میسر نہ آ سکا کہ وہ ''لیلیٰ مجنوں'' جیسے قصے نظم کرتے، پھر اس دور میں عرب شعراء مثنوی کی ہیئت میں لکھنے کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے۔

ملحوظ خاطر رہے کہ تاریخ ادب عربی میں جتنے بھی عشاق کے قصے ملتے ہیں، ان کی اکثریت شعراء کی تھی، چنانچہ جاہلی دور میں عروہ بن حزام، عنترہ بن شداد، مالک بن صمصامہ، مرقش اکبر اور مرقش اصغر اور اسلامی دور میں مجنوں لیلیٰ، قیس لبنیٰ، جمیل بثینہ اور کثیر عزہ جیسے تمام عشاق شاعر بھی تھے، انہوں نے دیوان بھی چھوڑے اور ان سب نے اپنے عشق و محبت کے قصہ اپنے اشعار میں نظم کیے اور چونکہ ان کی شاعری جذبہ طاقت اور جذبہ محبت سے لبریز تھی، اسی لیے کسی شاعر کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی کہ وہ پھر سے ان کے قصوں کو منظوم کرے۔

بہرحال قدیم عربی ادب میں عشق و محبت کے لیے رمزیہ حیثیت اختیار کرنے کی بنا پر آپ کو ''لیلیٰ مجنوں'' کا یہ قصہ اہل تصوف کے علاوہ، کسی اور جگہ بہت کم ملے گا۔ یہ قصہ، اہل تصوف کے لیے ایک مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ ان کے نزدیک مجنوں عاشقِ الٰہی کی علامت بن کر ابھرا اور لیلیٰ کو محبوبِ حقیقی کی علامت کی حیثیت دی گئی، پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ تصوف وطریقت کی دنیا میں انہیں ایسے رمزیہ اشعار کی ضرورت رہتی ہے جن کے ذریعے مرشد کامل اپنے مرید کے لیے کسی مسئلے کی وضاحت، یا تصوف کے کسی نظریئے یا عقیدے کی تشریح کر سکے۔

حقیقت میں علامتی ادب کی نشوونما کا سہرا صوفیائے کرام کے سر رہا، انہوں نے ادب میں علامات ورموز کا استعمال کیا جس کی وجہ غالباً وہ مخاصمت تھی، جو صوفیائے کرام اور فقہاء کے درمیان پیدا ہوگئی تھی۔ صوفیائے کرام اپنے آپ کو اہل باطن کہتے اور فقہاء کو اہل ظاہر اور اربابِ رسوم کے نام سے یاد کرتے تھے، فقہاء نے صوفیائے کرام کے اس نقطہ نظر سے کبھی اتفاق نہیں کیا اور نہ ہی وہ ان کے طور طریقوں سے مطمئن ہوئے، چنانچہ وہ صوفیوں کو ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان پر تکفیر کا فتویٰ صادر کرتے تھے، فقہاء نے دیکھا کہ صوفیاء اپنے الہام وجدان اور ذوقِ باطن کے نام پر ایسی باتیں کرتے تھے جو شریعت کے احکامِ ظاہری سے بھی کبھی کبھی متصادم ہو جاتیں، بلکہ قرآنی تعلیم کے بھی مخالف ہوتیں، اسی لیے انہوں نے صوفیائے کرام کی مخالفت میں شدت اختیار کر لی۔ فقہاء اور صوفیاء کے مابین باہمی جدل ومخاصمت کا سب سے سخت اور تلخ دور وہ تھا، جو منصور حلاج (۱) کے قتل کی صورت میں رونما ہوا۔

صوفیائے کرام کو رموز وعلامات کا راستہ اس لیے اختیار کرنا پڑا تا کہ وہ فقہاء اور عامۃ الناس کے ساتھ تصادم سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ تھے، جو صوفیائے کرام کے کلام کو اس طرح نہیں سمجھتے تھے، جیسے کہ خود صوفیائے کرام چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عذری محبت کے قصوں میں معشوقوں کے ناموں کو اللہ تعالی کے لیے استعمال کیا ہے:

أسميک لبنی فی نسبی تارة — وآونة سعدی وآونة ليلی

حذراً من الواشين أن يفطنوا بها — وإلا فمن لبنی فديتک ومن ليلی (۲)

ترجمہ:

کبھی کبھی میں اپنی غزل میں تیرا نام لبنیٰ رکھتا ہوں اور کبھی سعدیٰ اور کبھی لیلی

تاکہ رقیب کہیں اس کو تاڑ نہ لیں، ورنہ، میں تو تجھ پر فدا ہوں، کون ہے لبنیٰ ؟ اور کون ہے لیلی ؟

صوفیانہ شاعری میں محبوب کی رمز اور علامت کے طور پر لیلی کا نام کثرت سے آیا ہے، صوفیاء نے اس نام کو بہت پسند کیا اور دوسرے ناموں کے مقابلے میں اس کا زیادہ استعمال کیا۔

لقد فضلت ليلی علی الناس كالتی — علی ألف شهر فضلت ليلة القدر

فيا حبها زدنی جوی كل ليلة — ويا سلوة الأيام موعدک الحشر (۳)

ترجمہ:

لیلی کو تمام لوگوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح لیلۃ القدر کو ایک ہزار مہینوں پر حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے کاش اس کی محبت! ہر شب میرے سوز دروں میں اضافہ کرتی رہے اور اے زمانے کی فراموش کاری! تجھ سے تو حشر کے دن ہی ملاقات ہوگی۔

ایک صوفی کہتا ہے:

لا تقل دارها بشرقي نجد كل نجد للعامرية دار

ولها منزل على كل ماء وعلى كل دمنة آثار (۴)

ترجمہ:

یہ نہ کہو کہ لیلیٰ کا گھر نجد کے مشرق میں ہے، بلکہ سارے کا سارا نجد لیلیٰ عامریہ کا گھر ہے۔

ہر چشمے کے قریب اس کا مکاں ہے اور ہر پتھر پر اس کا نشان ہے۔

اس طرح صوفیائے کرام "لیلیٰ مجنوں" کے قصے کی طرف مائل رہے اور دوسرے عذری قصوں پر اس کو ترجیح دیتے رہے اور اپنی مجالس میں مجنوں کے حالات بیان کرتے رہے۔ مثلاً شبلی کہتا ہے:

اے میری قوم! یہ بنو عامر کا مجنوں ہے جس سے جب لیلیٰ کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ کہتا تھا: میں لیلیٰ ہوں، پس وہ لیلیٰ سے لیلیٰ ہی میں کھویا رہتا تھا اور سوائے لیلیٰ کے ہر مقصد سے غافل رہتا تھا۔ تمام چیزوں کا مشاہدہ لیلیٰ کی آنکھوں سے کرتا...... لہٰذا کوئی شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے، جبکہ وہ صحیح وسالم ہے اور چیزوں میں فرق کرسکتا ہو اور صاحبِ عقل بھی ہو یہ تو ناممکن ہے (۵)۔

صوفیائے کرام مجنوں کے اشعار کا بھی استعمال کرتے، ان کی اپنے اشعار میں تضمین کرتے، اور خود مجنوں کا تذکرہ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے...... شبلی سے ایک شخص نے کہا کہ وہ اس کے لیے دعا کرے تو شبلی نے مجنوں کا درج ذیل شعر پڑھ دیا:

مضى زمن والناس يستشفعون بي فهل لي إلى ليلى الغداة شفيع (٦)

ایک طویل زمانہ گزر گیا ہے، جب سے لوگ مجھے سفارشی بنا رہے ہیں، کیا لیلیٰ کے حضور میں کوئی میری سفارش کرے؟

شبلی کے ہاں جب بھی کوئی فقیر آتا تو وہ اس سے پوچھتے کیا تو کوئی خبر یا نشانی لے کر آیا ہے؟ اور پھر یہ شعر پڑھتے:

أسائل عن ليلى فهل من مخبر يخبرنا علما بها اين تنزل

ترجمہ:

میں لیلیٰ کے بارے میں پوچھتا ہوں کیا کوئی بتانے والا ہے جو ہمیں اپنے علم کی بنا پر یہ بتائے کہ اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منزل کہاں ہے؟

اس کے بعد کہتے کہ تیری عزت وجلال کی قسم! سوائے تیرے گھر میں بتانے والا کوئی نہیں (۷)۔

لیکن یہ بات ہمارے لیے باعث حیرت ہے کہ نہ تو کسی صوفی عرب شاعر نے قدیم عربی ادب میں ''لیلیٰ مجنون'' کے پورے قصے کو نظم کیا اور نہ ہی کسی غیر صوفی عرب شاعر نے۔ اس لیے اس میدان میں فارسی شاعری کو اس بارے میں قدیم عربی شاعری پر سبقت حاصل ہے فارسی شاعری میں ''لیلیٰ مجنوں'' کی حیثیت صرف ایک شاعرانہ علامت ہی کی نہیں رہی، بلکہ پورے کا پورا قصہ بار بار نظم کی صورت میں سامنے آیا۔ ''لیلیٰ مجنوں' کے ان منظوم قصوں کی شکل میں فارسی شعراء نے ایک طرف تصوف کے اسرار ورموز اور نظریات وعقائد کو آسان کر کے عوام کے سامنے پیش کیا۔ تو دوسری طرف قصے کو منظوم کر کے فارسی ادب کی صنفِ مثنوی کو مالا مال کیا۔ ترکی اور اردو شعراء نے ایسے ہی کیا...... چنانچہ جب سے اردو شاعری اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی تب سے ''لیلیٰ مجنوں'' اور اس قسم کے دیگر قصوں کو اپنے اندر سمیٹتی آ رہی ہے۔

اس کے برعکس عرب شعراء نے بیسویں صدی عیسوی سے پہلے اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ اور عربی شاعری اس قسم کے منظوم قصوں سے اس وقت تک تہی دامن رہی جب تک کہ احمد شوقی نے ۱۹۳۱ء میں ''لیلیٰ مجنوں'' کے قصے کو منظوم نہ کیا، یہاں یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ خواہ ''لیلیٰ مجنوں'' کا قصہ ہو یا عشقیہ کہانیاں یا دیگر قصے، اس ضمن میں عربی شاعری میں ایسے قصے بہت کم ملتے ہیں...... اس کے برعکس فارسی، ترکی اور اردو ادب ایسے قصوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ عربی شاعری میں ''لیلیٰ مجنون'' کا معاملہ صرف صوفیائے کرام کے حلقوں تک محدود رہا، اس سے کچھ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا...... صوفی شاعر یا تو خود قیس کے اشعار پڑھتے، یا قصہ لیلیٰ مجنوں کے متعلق ایک دو شعر کہتے، جن سے اپنے کسی نظریئے یا کسی اصول کو تقویت پہنچاتے۔

پہلی مرتبہ جدید دور میں بھی عربی شاعری نے عشقیہ قصوں کی طرف تھوڑی بہت توجہ دی ہے چنانچہ بیسویں صدی عیسویں میں احمد شوقی نے اپنے معروف ڈرامے ''مجنوں لیلیٰ''، اور صلاح عبد الصبور نے اپنے ڈرامے ''لیلیٰ والمجنون'' میں اسے پہلی مرتبہ مکمل قصے کی شکل میں منظوم کیا ہے۔ صلاح الصبور کے ڈرامے میں ''لیلیٰ مجنوں'' کا قصہ صرف ایک علامت کے طور پر استعمال ہوا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ ''لیلیٰ مجنوں'' کا اصل قصہ، صلاح عبد الصبور کے ڈرامے میں ایک پس منظر سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ ورنہ دونوں قصے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

لیکن جب فارسی شعراء کی اس قصے پر نظر پڑی تو وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ اس پر گویا جھپٹ پڑے۔ انہوں نے اسرار ورموزِ تصوف کی تشریح کا بیڑا اٹھایا اور اس حیثیت سے ''لیلیٰ مجنون'' کے قصے کو پیش کیا کہ جیسے یہ قصہ تھا ہی تصوف کا۔ ان کے سامنے صنفِ مثنوی تھی جس میں اس قسم کے قصے آسانی سے سمیٹے جا سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، لہٰذا اس راہ پر چلنا ان کے لیے بے حد آسان ثابت ہوا۔ بڑے بڑے اور عظیم شعراء نے اس کو منظوم کیا۔ نظامی گنجوی کو (متوفی: ۱۲۰۳ء) اس میدان میں سبقت حاصل ہے۔ بعدازاں بہت سے شعراء نے اس کی تقلید کی، جن میں درج ذیل شعراء کے نام شامل ہیں:

امیر خسرو دہلوی (متوفی: ۱۳۲۵ء) عبد الرحمٰن جامی (متوفی: ۱۴۹۲ء)، مکتبی شیرازی (متوفی: ۱۴۹۰ء) اور ہاتفی ہروی (متوفی: ۱۵۲۱ء)۔

ان عظیم شعراء کے ہاتھوں یہ قصہ فارسی ادب میں منتقل ہو گیا، مگر انہوں نے اس کو حرف بہ حرف نقل نہیں کیا، بلکہ اس میں اضافے کئے اور کچھ واقعات حذف بھی کر دیے بعض واقعات میں طوالت اختیار کی، بعض واقعات کو مختصر کر دیا اور اس پر اپنے ماحول کا رنگ چڑھا دیا، جو عربی ماحول سے بہت حد تک مختلف تھا وہ عربی ماحول جو اس قصے کا منبع تھا، چنانچہ "لیلیٰ مجنوں" کی فارسی مثنویوں میں آپ کو خوبصورت گھنے باغات، سفید برفانی پہاڑ اور طرح طرح کے بے مثل پرندے نظر آئیں گے۔ جبکہ یہ سب کچھ عربی صحرائی ماحول میں نہیں پایا جاتا، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب باتیں اس لیے باعث حیرت نہیں، کہ ایسا ہونا قدرتی امر ہے کہ قصہ جس ماحول میں منتقل ہو گا، اس پر اس ماحول کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور پڑے گا، اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جو ایک ماحول سے دوسرے ماحول میں منتقل ہو تو بعید از قیاس نہیں کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں نئے ماحول سے متاثر ہو کر اس کا حصہ بن جائے، چنانچہ عربی کی ایک ضرب المثل ہے (من عاشر قوما اربعین یوما صار منهم) (جو کسی قوم کے ساتھ چالیس دن تک رہا تو اس پر اس قوم کا رنگ چڑھ جاتا ہے) یہی کچھ اس قصے کے ساتھ ہوا۔ جب وہ عربی ماحول سے فارسی ماحول میں منتقل ہوا پھر ترکی ماحول میں، پھر برصغیر کے ماحول میں آیا، تو اس قصے پر ہر ماحول کا رنگ چڑھتا رہا۔

فارسی ادب سے یہ قصہ ترکی ادب میں منتقل ہوا تو ترکی شعراء نے اس کو منظوم کیا ان شعراء میں سرفہرست مشہور ترکی شاعر فضولی بغدادی (متوفی: ۹۶۳ھ) ہے اس کے علاوہ مشہور ترکی شاعر حمدی نے (متوفی ۱۹۱۴) بھی اس قصے کو بڑی عمدگی کے ساتھ منظوم کیا، ان دونوں کے علاوہ بہت سے دوسرے شعراء نے بھی اس کو شعری جامہ پہنایا۔

جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے تو وہ اس باب میں بڑا ہی وسیع ظرف ثابت ہوا۔ اس نے اس قصے کو اپنی شاعری اور اپنی نثر، دونوں میں جگہ دی۔ چنانچہ مثنوی اور ڈرامے کی صورت میں اسے منظوم کیا گیا۔ پھر کچھ ادباء نے اسے نثر کی صورت میں پیش کیا یہاں تک کہ اردو ادب میں اس قصے کے تراجم شعری اور نثری صورت میں بتیس تک پہنچ گئے، جن میں سے کچھ ضائع ہو چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں، جو ابھی تک گوشہ گمنامی میں ہیں اور جن کے ہم صرف نام ہی جانتے ہیں، درج ذیل سطور میں ہم ان تراجم کے ایک جامع فہرست پیش کرتے ہیں جس کا ذکر ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب "اردو کی نثری داستانیں" میں کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں از احمد گجراتی، قلی قطب شاہ کے دربار میں۔

۲۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں از عاجز ۱۱۴۶ھ یا ۱۱۴۰ھ۔

۳۔ لیلیٰ مجنون از محبوب عالم ۱۱۰۶ھ۔

۴۔ مثنوی از میر احمد باشندہ دانور د پنجاب ۱۱۴۹ھ، مطبوعہ ۱۸۶۰ء۔

۵۔ مثنوی از خواجہ یسن جہاں آبادی، خسرو کی مثنوی کا ترجمہ عہد شاہ عالم ثانی بحوالہ دیباچہ لیلیٰ مجنوں ۱۲۱۵ھ از حیدر بخش حیدری۔

۶۔ مثنوی از محمد شریف درودی، گیارہویں صدی ہجری کا آخر، مکتوبہ ۱۲۱۴ھ۔

۷۔ مثنوی از عبداللہ کمتر ۱۱۹۶ھ درحقیقت اس مثنوی کے مصنف کا نام عبداللہ واعظ بن اسحاق ہے خود مصنف نے اپنا نام مثنوی میں اس طرح بتایا:۔

؎ میں عبداللہ واعظ ابن اسحاق خدایا بھیج میرے غم کا تریاق

واعظ کی مثنوی صفحہ ۱۴۷۔

ڈاکٹر گیان چند کو مثنوی کے درج ذیل شعر کی بنا پر مصنف کے نام میں وہم ہوا:

؎ یہ عاجز ہے گا عبداللہ کمتر کرے تو مہر سے اس کو نکوتر

واعظ کی مثنوی صفحہ ۱۳۷

۸۔ مثنوی لیلیٰ مجنون از تجلی ہمشیر زادہ میر نقش اول ۱۱۹۹ھ نقش آخر ۱۲۰۷ھ۔

۹۔ مثنوی بہارستان عشق از اعزاز الدین نامی ارا کائی ۱۲۱۳ھ۔

۱۰۔ لیلیٰ مجنوں، مسمط کی صنف معشر میں از نظیر اکبر آبادی۔

۱۱۔ مثنوی از اعظم الدولہ سرور دھلوی۔

۱۲۔ لیلیٰ مجنوں از ہوسؔ لکھنوی ۱۲۱۲ھ۔

۱۳۔ مثنوی از عظیم دھلوی۔

۱۴۔ مثنوی از ولاؔ۔ یہ دونوں بحوالہ خطبہ ۱۸۵۴ء از گارسیں دی تاسی۔

۱۵۔ لیلیٰ مجنوں نثر مخزونہ عثمانیہ یونیورسٹی اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا میں۔

۱۶۔ لیلیٰ مجنوں نثر از حیدر بخش حیدری ۱۲۱۵ھ۔

۱۷۔ لیلیٰ مجنون از شیر محمد خان ایمان قبل ۱۸۰۵ء۔

۱۸۔ باغ عشق نثر از بینی نرائن جہاں ۱۸۲۴ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۔ لیلی مجنون از دلیر قبل ۱۸۳۰ء بحوالہ مقالہ ڈاکٹر فرزانہ بیگم ص ۱۹۰۔

۲۰۔ نثر از ابوالفضل محمد تصدق حسین خان شمس لکھنوی مطبوعہ ۱۹۴۷ء۔

۲۱۔ لیلی مجنون ڈراما از نسرواں جی مہرواں جی آرام۔

۲۲۔ لیلی مجنون عرف پاک محبت اوپیراا زنسرواں جی مہرواں جی آرام۔

۲۳۔ از رونق بنارس ۱۸۷۹ء۔

۲۴۔ سوانح قیس مفتوں عرف لیلی مجنوں از حافظ عبداللہ ۱۸۸۵ء۔

۲۵۔ مرقع لیلی مجنون از مرزا ہادی رسوا ۱۸۸۷ء۔

۲۶۔ فسانہ محزوں عرف لیلی مجنوں از محمد نادر حسین صدیقی نادر سردہنوی۔

۲۷۔ از محمد عزیز احمد خاں دل لکھنوی ۱۹۴۶ء۔

۲۸۔ از نشتر لکھنوی ۱۹۳۱ء۔

۲۹۔ از تصدق حسین تصدق عظیم آبادی۔

۳۰۔ از ریاض الدین احمد ریاض دھلوی۔

۳۱۔ از صادق سردہنوی۔

۳۲۔ از ششری کرشن کھتری کانپوری ۱۹۶۰ء۔

(بحوالہ ڈاکٹر گیاں چند، اردو کی نثری داستانیں صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰)۔

تراجم کی اس بہت بڑی تعداد کے پیش نظر تحقیق کے لیے چند اہم تراجم کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ آپ تمام منظومات کی تحقیق کر کے دوسرے ادبیات میں "لیلی مجنوں" کی تمام مثنویوں کے ساتھ ایک مقالے میں تقابلی مطالعہ کر سکیں ورنہ اسے سمیٹنے کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت پیش آئے گی، حق یہ ہے کہ اردو ادب کے ان منظوم قصوں کا مکمل تجزیاتی مطالعہ ڈاکٹریٹ کے کسی طویل مقالے کے لیے کافی ہے، اور ہمیں امید ہے کہ اس موضوع کی عظیم ادبی اہمیت کے پیش نظر کوئی ایسا محقق ضرور آئے گا جو اس کام کو نبھانے کی ذمہ داری قبول کر لے گا۔

"لیلی مجنوں" کی اردو مثنویوں میں سے، ہمارے خیال میں عاجز کی مثنوی "لیلی مجنوں" اردو میں اس موضوع پر قدیم ترین مثنوی ہے جو آج تک موجود ہے، اس ضمن میں شاعر احمد کو اس پر سبقت حاصل رہی۔ لیکن اس کی مثنوی ناپید ہے، اور اب اس کی مثنوی کی کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں رہی۔ اس پر مزید یہ کہ عاجز کی مثنوی دکنی مثنوی ہے، اور دکنی مثنویوں کی نمائندگی کرنے کے لیے عبداللہ بن واعظ بن اسحاق کی مثنوی لیلی مجنوں بھی دیکھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاسکتی ہے، جو دکنی اردو میں ہے۔ مگر وہ اپنی جدت کے باعث ممتاز ہے، یہ جدت اس کے واقعات میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہے، جس کی وجہ سے یہ مثنوی قصہ ''لیلیٰ مجنوں'' کے بارے میں اردو کی واحد مثنوی ہے، جسے اردو ذہن کی پیداوار سمجھا جاسکتا ہے۔

شمالی ہند کی ان مثنویوں میں سے ہوس اور تجلی کی مثنویاں بہت زیادہ ادبی اہمیت کی حامل ہیں، یہی دو مثنویاں، ڈاکٹر فرمان فتحپوری کے قول کے مطابق، جو ان کی کتاب ''اردو کی منظوم داستانیں'' میں مرقوم ہے، ''لیلیٰ مجنوں'' کے ضمن میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

شمالی ہند سے نجیب شاہ کی مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' ابھی تک مخطوطے کی شکل میں ہے یہ ایک ایسا مخطوطہ ہے جس کے بارے میں نہ تو کسی کو علم ہے اور نہ ہی اس پر کسی نے قلم اُٹھایا۔ چنانچہ ''لیلیٰ مجنوں'' کے تراجم کی تعداد بتیس ۳۲ سے بھی بڑھ گئی ہے، ان تراجم میں سے کافی تراجم مثنویوں کی شکل میں ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے متعدد مثنویاں اب ناپید ہیں اور جو موجود ہیں ان میں سے ایسی مثنویاں بھی ہیں جن کی حالت بے حد خستہ ہے اور چند سالوں میں اگر ان کی طرف توجہ نہ کی گئی، تو یہ بھی ضائع ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر نجیب شاہ کی مثنوی کا مخطوطہ، جو پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے اور جس کے فی الحال صرف تین نسخوں کا سراغ ملا ہے، ان میں سے دو نسخے اس لائبریری میں ہیں اور تیسرا کتب خانہ برٹش میوزیم لنڈن میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجودہ دونوں نسخوں کی حالت انتہائی خستہ ہے اور یہ قلیل عرصے میں مکمل طور پر تلف ہو جائیں گے۔

جہاں تک جدید اردو ادب، یا جنگ آزادی کے بعد کے ادب کا تعلق ہے تو اس کی نمائندگی کے لیے حافظ عبداللہ کے ڈراما، ''لیلیٰ مجنوں'' اور مرزا محمد ہادی رسوا کے مرقع ''لیلیٰ مجنوں'' کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں ڈرامے اس زمانے کی طرزِ زندگی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں جس زمانے میں وہ لکھے گئے۔ حافظ عبداللہ اپنے ڈرامے میں مخلوط تعلیم پر تنقید کا میلان رکھتا تھا، اور مرزا رسوا اپنے مرقع میں اردو زبان کی تہذیب واصلاح اور اس کے معیار کو بلند کرنے کا آرزومند تھا۔

جہاں تک جدید ادب عربی کا تعلق ہے تو اس میں احمد شوقی کے ڈرامے ''مجنوں لیلیٰ'' اور صلاح عبد الصبور کے ڈرامے ''لیلیٰ مجنوں'' دیکھے جاسکتے ہیں، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک، ایک خاص نقطہ نظر کی وضاحت کرتا ہے۔ احمد شوقی نے یہ ڈراما عربی رسم ورواج کی مدافعت میں لکھا۔ اور صلاح عبدالصبور نے اپنا ڈراما علامتی شکل میں، اس لیے قلمبند کیا تا کہ مصر کی جدید تاریخ کے ایک مخصوص عرصے کی ترجمانی کرے، یہ مصر کی اسرائیل کے ہاتھوں ۱۹۶۷ء میں شکست کے بعد کا زمانہ ہے۔

فی الحقیقت ''لیلیٰ مجنوں'' کا قصہ کوئی خیالی یا وہمی قصہ نہیں جیسا کہ ڈاکٹر طہ حسین کا خیال ہے، بلکہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک حقیقی قصہ ہے جو پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف میں جزیرہ نمائے عرب کی سرزمین پر وقوع پذیر ہوا۔

پھر جس طرح یہ قصہ شعرا کی توجہ کا محور رہا اسی طرح نثر میں بھی اس موضوع کا کافی چرچا رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم عربی ادب میں اگرچہ سب سے پہلے صوفی شعرا نے ''لیلی ومجنوں'' کے نام کو بطورِ رمز اور علامت کے اپنی شاعری میں استعمال کیا تھا، مگر ایک مکمل داستان کی شکل میں بھی سب سے پہلے نثر میں لکھا گیا جیسا کہ ابوالفرج اصفہانی کی ''کتاب الاغانی'' میں یہ قصہ ملتا ہے۔ یا ابوالفرج سے پہلے ابوبکر والبی کے مرتبہ دیوان میں بھی ملتا ہے، کیونکہ ابوالفرج اور ابوبکر دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ''مجنوں لیلی'' کی شاعری کے ساتھ ساتھ واقعات کو نثر کی صورت میں پیش کیا۔ اردو میں بھی اس کی تفصیل قدرے وضاحت طلب ہے۔

یہاں ہم صرف دو قصوں پر بات کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ایک حیدر بخش حیدری کا اور دوسرا سجاد حیدر یلدرم کا، حیدر بخش حیدری نے ''قصہ لیلی مجنوں'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء میں مکمل ہوئی، مگر یہ کتاب اب نایاب ہے، البتہ اس کا دیباچہ برٹش میوزیم سے ڈاکٹر عبادت بریلوی کو ملا (۸)۔ یہ تصنیف حیدری کی دوسری تصنیف سمجھی جاتی ہے جسے اس نے گل کرسٹ کے کہنے پر تصنیف کیا اور اس اعتبار سے اس کی پہلی تصنیف شمار کی جاتی ہے، جسے اس نے فورٹ ولیم کالج سے وابستہ ہونے بعد لکھا۔

پھر بیسویں صدی عیسوی میں سجاد حیدر یلدرم نے قصہ ''لیلی مجنوں'' کو نثر کی صورت میں بڑے اچھے انداز میں پیش کیا۔ یہ قصہ سجاد حیدر یلدرم کی کتاب ''خیالستان'' میں درج ہے جو 1910 میں تصنیف ہوئی اور جو یلدرم کے تیرہ نثر پاروں پر مشتمل ہے (۹) یلدرم کے حکایہ ''لیلی مجنوں'' میں لیلی اور مجنوں دونوں جدید دور میں پھر زندہ ہو گئے ہیں اور جدید زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بہر حال ''قصہ لیلی مجنوں'' چاہے عربی میں لکھا گیا ہو یا فارسی میں یا ترکی اور اردو میں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیس نے لیلی سے بہت محبت کی، مگر اس سے اس کی شادی نہیں ہو سکی، یہی ہے وہ مختصر اور اصل قصہ ہے جس پر مختلف ادبیات کے لوگوں کا کامل اتفاق ہے۔ لیکن جہاں تک تفصیلات کا تعلق ہے تو اس ضمن میں عربی ادب اور دوسری ادبیات میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ کبھی یہ اختلاف کم ہوتا ہے اور کبھی بہت زیادہ، کہ قصہ بالکل ہی مختلف ہو جاتا ہے۔

اب جب کہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ''قصہ لیلی مجنوں'' اردو میں براہ راست عربی سے نہیں آیا، بلکہ یہ فارسی ہی کے ذریعے اردو میں منتقل ہوا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اردو ادبیات میں ''قصہ لیلی مجنوں'' پر فارسی اثرات زیادہ ہیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ فارسی مثنویوں کا جدید عربی ادب میں ''قصہ لیلی مجنوں'' پر بہت اثر پڑا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے یہ دیکھا کہ اردو میں قصہ ''لیلی مجنوں'' پر اصل عربی قصے کے بھی براہِ راست اثرات پائے

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں جیسا کہ ہمیں مرزا محمد ہادی رسوا کے مرقع ''لیلیٰ مجنوں میں یہ صورت نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس شاعر نے بھی ''لیلیٰ مجنوں'' کو منظوم کیا، چاہے وہ عربی کا ہو یا فارسی کا، ترکی کا ہو یا اردو کا، اس نے کسی نہ کسی حد تک جدت پسندی سے کام لیتے ہوئے کوئی نہ کوئی اضافہ ضرور کیا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اس جدت پسندی کی وجہ سے قصہ بالکل بدل جاتا ہے جیسا کہ واعظ بن اسحاق کی مثنوی میں ہمیں نظر آتا ہے...... لیکن فارسی، ترکی اور اردو مثنویوں میں قصہ ''لیلیٰ مجنوں'' کا ڈھانچہ غالباً وہی رہا جو اصل عربی قصے کا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) منصور حلاج مشہور صوفی ہے، ۲۴۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۰۹ھ میں اس کو پھانسی دی گئی۔

(۲) الراغب الاصفہانی معاضرات الادباء، ج ۲: ص ۶۰ بیروت ۱۹۶۱ء۔

(۳) یہ دو شعر کتاب اللمع فی التصوف ص ۳۲۲ میں اس اعتبار سے وارد ہوئے کہ یہ صوفی مشہور شبلی کے اشعار ہیں حالانکہ یہ خود مجنوں کے اشعار ہیں پہلا شعر ''دیوان مجنون لیلیٰ'' ص ۱۶۰، قطعہ ۱۴۱ میں آیا ہے اور دوسرا شعر صفحہ ۱۳۰ قطعہ ۱۱۴ میں۔

(۴) بحوالہ ڈاکٹر ابراہیم بسیونی کی کتاب نشاۃ التصوف الاسلامی ص ۲۲۔

(۵) السراج الطوسی، کتاب اللمع ص ۴۳۷، قاہرہ، مصر ۱۹۶۔

(۶) ابوعبدالرحمٰن السلمی، طبقات السلمی، ص ۳۴۴۔

(۷) ابوعبدالرحمٰن السلمی، طبقات الکبریٰ، ص ۱۱۷۔

(۸) عابدہ بٹ، فورٹ ولیم کالج کے تین نثر نگار، ایم اے اردو کا مقالہ، ص ۲۵-۲۷۔

(۹) سجاد حیدر یلدرم- خیالستان- صفحہ ۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتے ہیں جیسا کہ ہمیں مرزا محمد ہادی رسوا کے مرقع "لیلیٰ مجنوں میں یہ صورت نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس شاعر نے بھی "لیلیٰ مجنوں" کو منظوم کیا، چاہے وہ عربی کا ہو یا فارسی کا، ترکی کا ہو یا اردو کا، اس نے کسی نہ کسی حد تک جدت پسندی سے کام لیتے ہوئے کوئی نہ کوئی اضافہ ضرور کیا۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اس جدت پسندی کی وجہ سے قصہ بالکل بدل جاتا ہے جیسا کہ واعظ بن اسحاق کی مثنوی میں ہمیں نظر آتا ہے...... لیکن فارسی، ترکی اور اردو مثنویوں میں قصہ "لیلیٰ مجنوں" کا ڈھانچہ غالباً وہی رہا جو اصل عربی قصے کا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) منصور حلاج مشہور صوفی ہے، ۲۴۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۰۹ھ میں اس کو پھانسی دی گئی۔

(۲) الراغب الاصفہانی معاضرات الادباء، ج ۲: ص ۶۰ بیروت ۱۹۶۱۔

(۳) یہ دو شعر کتاب اللمع فی التصوف ص ۳۲۲ میں اس اعتبار سے وارد ہوئے کہ یہ صوفی مشہور شبلی کے اشعار ہیں حالانکہ یہ خود مجنوں کے اشعار ہیں پہلا شعر "دیوان مجنون لیلی" ص ۱۶۰، قطعہ ۱۴۱ میں آیا ہے اور دوسرا شعر صفحہ ۱۳۰ قطعہ ۱۱۴ میں۔

(۴) بحوالہ ڈاکٹر ابراہیم بسیونی کی کتاب نشاۃ التصوف الاسلامی ص ۲۲۔

(۵) السراج الطّوسی، کتاب اللمع، ص ۴۳۷، قاہرہ، مصر ۱۹۶۔

(۶) ابوعبدالرحمٰن السلمی، طبقات السلمی، ص ۳۴۴۔

(۷) ابوعبدالرحمٰن السلمی، طبقات الکبری، ص ۱۱۷۔

(۸) عابدہ بٹ، فورٹ ولیم کالج کے تین نثر نگار، ایم اے اردو کا مقالہ، ص ۲۵-۲۷۔

(۹) سجاد حیدر یلدرم- خیالستان- صفحہ ۱۶۔

© rasailojaraid.com